رانا محمد اکبر
پی ایچ -ڈی سکالر (اُردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،اسلام آباد

اقبال کی پہلی نظم اور متروک کلام : ایک تنقیدی مطالعہ

Iqbal Started his poetry by adopting Urdu genre "Ghazil": in early stage he also adopted the genre "Poem".
Iqbals first poem was "Falahe-qaom" second was "Nala-e-Yateem" and third poem was "Yateem ka Khitab-Hilale Eid Se" But Iqbal selected the Poem "Himala" as first poem in his first book " Bang-e-Dara".What were the motives behind this change. In this article the changes in sepuence of poem numbering is analyzed. It discusses the causes of not incorporating these poems in his books.

اقبال کی پہلی نظم کسے قرار دیا جائے ؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی گئی اور دستیاب وسائل کو ہی مدِ نظر رکھا گیا ہے ۔اس کے مطابق ''ہمالہ'' کو اقبال کی پہلی نظم کہا جاتا ہے ۔جب کہ اقبال کی پہلی نظم ''فلاحِ قوم'' ہے ۔یہ نظم فروری ۱۸۹۶ء کو لکھی گئی اور'' انجمن کشمیری مسلمانانِ ہند'' کے اجلاس میں پڑھی گئی۔

اقبال کی اُنیسویں صدی کی دوسری دستیاب نظم ''نالۂ یتیم'' ہے ۔یہ نظم فروری ۱۹۰۰ء کو ایک عوامی جلسے میں پڑھی گئی۔ان دونوں نظموں کا تعلق اُنیسویں صدی سے تھا جب کہ بیسویں صدی کی پہلی نظم ''یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے ''تھی ۔یہ نظم ۲۴رفروری ۱۹۰۱ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے سولھویں جلسے میں پڑھی گئی ۔بیسویں صدی کی دوسری نظم ''ہمالہ'' ہے ۔یہ نظم اپریل ۱۹۰۱ء کو ماہنامہ ''مخزن'' کے پہلے شمارے میں شائع ہوئی ۔

اقبال نے اپنا شعری مجموعہ'' بانگِ درا''ستمبر ۱۹۲۴ء میں مرتب کیا تو مذکورہ بالا تینوں نظموں کو ترک کر دیا اور ان کو نہ صرف بانگِ درا بلکہ کسی بھی مجموعے میں شامل نہیں کیا ۔اقبال نے ایسا کیوں کیا ؟اس کی وجہ تلاش کرنے کے لیے ہمیں ان نظموں کا تنقیدی جائزہ لینا ہوگا ۔

اس ضمن میں سب سے پہلے یہ امر توجہ طلب ہے کہ محذوف یا متروک کلام بے کار نہیں ہوتا بلکہ وہ شاعر کا انتخاب ہوتا ہے کیوں کہ شاعر خود بھی نقاد ہوتا ہے ۔اس لیے وہ اپنے اس انتخاب میں سے کچھ کلام کسی وجہ سے ترک کر دیتا ہے ۔حال آں کہ اولا دِمعنوی کو سپردِ عدم کرنا دل پر پتھر رکھ کر ہی ممکن ہوتا ہے ۔متروک کلام کی اہمیت کا اندازہ اقبال کے منسوخ دستیاب کلام کے مطالعے سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے ۔مثلاً اقبال کا ایک متروک شعر ملاحظہ ہو :

زندگی جز کی ہے کل میں فنا ہو جانا

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جا نا

زیرِ نظر شعر میں کو ئی فنی جھول نہیں اور نہ ہی اس میں خیال اور گہرا ئی کی کمی ہے ۔یہ شعر اپنی ندرتِ خیا ل اور جدتِ طبع میں شا عرا نہ اپچ کا مظہر ہے ۔اس شعر کے متروک ہو نے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مرزا غا لب کا بھی ایک شعر اسی بحر اور موضوع کا ہے جو متروک نہیں ہے ۔ ملا حظہ ہو :

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جا نا

درد کا حد سے گزر نا ہے دوا ہو جا نا

اس شعر کے متروک ہو نے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ عقیدۂ وحدۃ الوجو دی کا مظہر ہے۔ اقبا ل نے اس نظر یہ کو میں ترک کر دیا تھا ۔ علا وہ ازیں اقبال نے مرزا غا لب کے ایک اور شعر سے براہِ را ست استفا دہ بھی کیا ہے ،جو متروک نہیں۔ ملا حظہ ہو :

غا لبؔ کا شعر:

اصلِ شہو د وشا ہدو مشہو دایک ہے

حیراں ہو ں پھر مشا ہدہ ہے کس حسا ب کا

اقبا ل کا شعر:

اصلِ شہو د وشا ہدو مشہو د ایک ہے

غا لبؔ کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا ؟

اس لیے یہ کوئی خا ص وجہ نہیں ہے کیوں کہ علا مہ اقبال نے نہ صرف انگر یز شعرا کے خیا لا ت کو قبو ل کیا ہے بلکہ فا رسی شعرا کی تضمین بھی کی ہے ۔ با نگِ درا میں اس کی متعدد مثا لیں مو جو د ہیں مثلاً ۔

با نگِ درا کی چوتھی نظم جو ''مرزا غا لب'' کا مرثیہ ہے۔اقبا ل نے اس نظم کا خیال ''میتھو آرنلڈ کے مرثیے سے لیا ہے ، جو اُنھوں نے اپنے استا د ''ورڈ ورتھ'' کی وفا ت پر ۱۸۵۰ء میں ''میموریل ورسز'' کے عنوان سے لکھا تھا ۔[۱]

علا مہ اقبا ل کی نظم ''ابرِ کو ہسا ر'' شیلے کی مشہو ر نظم ''The Clouds'' سے ما خو ذ ہے ۔[۲]

ایک مکڑا اور مکھی ،میری ہیوٹ کی نظم ''The Spider and the Fly'' سے ما خو ذ ہے ۔[۳]

ایک پہا ڑ اور گلہری،امریکی شا عر ایمر سن کی نظم ''The Mountain and the Squirrl'' سے جب کہ ''ایک گا ئے اور بکری'' امریکی شا عر جان ٹیلر کی نظم ''The Cow and the Ass'' سے ما خو ذ ہے ۔[۴]

اقبال کی نظم بچے کی دعا'' (لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری) ایک مغر

بی شاعرہ میتھلڈ بیتھم کی نظم ''A Child,s Hymn'' سے ماخوذ ہے۔اقبال کی نظمیں ''ہمدردی'' اور'' پرندے کی فریاد'' مغربی شاعر ولیم کوپر کی نظم ''the Nightingale and the Glowwarm'' سے ماخوذ ہیں ۔[۵]

اسی طرح اقبال کی ایک اور نظم ''ماں کا خواب''مغربی شاعر ڈبلیو بانز کی نظم ''Mothers Dreams'' سے ماخوذ ہے ۔[۶]

''پیامِ صبح'' مغربی شاعر لانگ فیلو سے اور نظم ''عشق اور موت'' ٹینی سن سے ماخوذ ہیں ۔''رخصت اے بزمِ جہاں'' امریکی شاعر ایمرسن سے ماخوذ ہے ۔''سیرِ فلک'' کا خیال جرمن شاعر دانتے کی ڈیوائن کامیڈی سے ماخوذ ہے ۔[۷]

علاوہ ازیں بانگِ درا کے تیسرے دور کی نظمیں ''تہذیبِ حاضر''فیضؔ سے تضمین ہے ۔اسی دور کی ایک اور نظم ''کفر و اسلام'' برشعر میر رضی دانشؔ کی تضمین ہے ۔اسی دور کی ایک اور نظم ''مسلمان اور جدید تعلیم''برشعر ملک قمیؔ سے تضمین ہے ۔ایک نظم برشعر صائبؔ کی تضمین ہے۔اسی دور کی ایک نظم ''مذہب'' برشعر مرزا بیدلؔ سے تضمین ہے۔اس طرح ایک نظم برشعر ابو طالب کلیمؔ ہمدانی سے جب کہ ایک نظم ''تعلیم اور اس کے نتائج'' برشعر ملا عرشیؔ سے تضمین ہے۔

اس کے علاوہ علامہ اقبال نے شیخ سعدی شیرازی ،جمال الدین عرفیؔ،فرح اللہ شوستری،ملا طاہر غنی کاشمیری،مولانا جلال الدین رومی،نظیری نیشاپوری کے اشعار سے بھی استفادہ کیا ہے ۔اقبال کے پہلے دور کی ایک نظم ''آفتاب'' ہندی منتر گایتری کا ترجمہ ہے اور تیسرے دور کی مشہور و معروف نظم ''شکوہ''میر تقی میرؔ کی واسوخت سے ماخوذ ہے۔

علامہ اقبال کا زیادہ تر متروک کلام بانگِ درا کے زمانے کا ہے ۔اُنھوں نے بانگِ درا کی تصنیف کرتے ہوئے اپنے بے شمار اشعار کو ترک کر دیا بلکہ بانگِ درا کی اشاعت کی تاخیر کی بھی یہی وجہ تھی ۔اِس کا تذکرہ اقبال نے اپنے ایک خط بنام سید سلیمان ندوی ،محررہ ۳/اپریل ۱۹۱۹ء میں کیا ہے :

> مجموعہ اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اُن تمام نظموں پر نظرِ ثانی کرنا چاہتا ہوں ۔جس کے لیے فرصت نہیں ملتی ۔انشاء اللہ بعد از نظرِ ثانی شائع کروں گا ۔[۸]

علامہ اقبال نے اپنے کلام کے متروک و منسوخ کرنے کی ایک وجہ عطیہ فیضی کو بیان کی تھی ۔چناں چہ اپنے ایک خط بنام عطیہ فیضی محررہ ۷/جولائی ۱۹۱۱ء میں لکھتے ہیں :

> میری سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ میں اشاعت کے لیے کونسی نظموں کا انتخاب کروں ۔گذشتہ پانچ چھ سال کے دوران میں نظمیں زیادہ تر پرائیویٹ نوعیت کی رہی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ پبلک کو ان کے پڑھنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ان میں سے بعض کو تو میں نے کلیۃً تلف کر دیا ہے ،اس ڈر سے کہ کہیں کوئی اُنھیں چرا کر نہ لے جائے اور شائع نہ کر دے ۔[۹]

اِسی دوران میں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ حیدر آباد دکن سے اقبال کے اردو کلام پر مبنی مجموعہ ''کلیاتِ اقبال'' کے

نام سے شائع ہوگیا۔[۱۰]

یہ مجموعہ مولوی عبدالرزاق (نائب صدر محاسب حیدرآباد، دکن) نے شائع کیا تھا جو ۳۹۶صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں ۱۳۶صفحات کا دیباچہ شامل تھا۔ یہ مجموعہ ۹۹نظموں اور ۲۶ غزلیات کا حامل تھا۔ اس مجموعہ کو اقبال کی تائید حاصل نہیں تھی کیوں کہ اس میں وہ کلام بھی شامل تھا جسے اقبال اپنے شعری مجموعہ میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جملہ حقوق کی بنیاد پر اس کی اشاعت حیدرآباد دکن تک محدود کرادی گئی۔ اقبال نے یہ ذمہ داری خواجہ احمد دین کو سونپی کہ وہ اُن کے کلام کی بلا اجازت اشاعت پر قانونی چارہ جوئی کریں۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ اسی دوران میں مولوی احمد دین نے اقبال کے اردو کلام پر مبنی کتاب بعنوان ''اقبال'' مرتب کی اور شائع کردی۔ اس کتاب ''اقبال'' میں وہ کلام بھی شامل تھا، جس کی وجہ سے اقبال حیدر آباد سے شائع شدہ مجموعہ پر نظر ثانی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے جب یہ کتاب اقبال کے سامنے آئی تو اُنھوں نے نا پسندیدگی کا اظہار کیا۔ مولوی احمد دین سمجھ گئے۔ اُنھوں نے اس کتاب کے نسخوں کو جلا کر تلف کر دیا۔[۱۱]

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر اقبال کو اردو مجموعہ کلام کو جلد از جلد شائع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لہٰذا اقبال فوری طور پر اس مجموعہ کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ نظر ثانی اور ضروری قطع و برید کے بعد یہ مجموعہ ستمبر ۱۹۲۴ء میں'' بانگِ درا'' کے عنوان سے شائع ہوا۔[۱۲]

یوں اردو مجموعۂ کلام کی اشاعت کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوا۔ اس کا دیباچہ سر عبدالقادر نے لکھا۔ یہ مجموعہ تین سو چھتیس (۳۳۶)صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۴۳ نظمیں اور ۲۸ غزلیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارا کلام منسوخ و متروک کر دیا۔

علامہ اقبال کے متروک و منسوخ کلام کے مآخذ سب سے زیادہ ہیں۔ ان مآخذ میں مکمل، متروک، منسوخ، محذوف اور ترمیم شدہ اشعار شامل درج ہیں۔ وہ مآخذ درج ذیل ہیں:

۱۔ کلیاتِ اقبال، مرتبہ عبدالرزاق، ۱۹۲۴ء عماد پریس، حیدرآباد دکن انڈیا

۲۔ اقبال، از مولوی احمد دین، مرتبہ مشفق خواجہ۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۷ء

۳۔ باقیاتِ اقبال، مرتبہ عبدالواحد معینی و عبداللہ قریشی، ۱۹۵۲ء، لاہور

۴۔ تبرکاتِ اقبال، مرتبہ محمد بشیر الحق دسنوی۔ ۱۹۵۹ء، دہلی

۵۔ زختِ سفر، مرتبہ محمد انور حارث، ۱۹۷۷ء کراچی

۶۔ سرودِ رفتہ، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر و مہر صادق علی دلاوری، ۱۹۵۹ء، لاہور

۷۔ نوادرِ اقبال، مرتبہ عبدالغفار شکیل، ۱۹۶۲ء، علی گڑھ

۸۔ روز گارِ فقیر ،مرتبہ سید وحید الدین فقیر ،۱۹۶۵ء ، لا ہور

۹۔ فرہنگِ اقبال ،مرتبہ نسیم امروہوی،۱۹۸۴ء ، لا ہور

۱۰۔ ابتدائی کلامِ اقبال ،مرتبہ ڈاکٹر گیان چند ،۱۹۸۶ء حیدر آباد دکن

۱۱۔ قلمی بیاض ’’کلامِ اقبال‘‘ مرتبہ محمد انور خاں ۱۹۲۴ء، جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ

مذکورہ بالا بنیادی مآخذ کے علاوہ علامہ اقبال کا کلام درج ذیل رسائل میں شائع ہوتا تھا۔

ماہنامہ ’’مخزن‘‘ لاہور۔ ماہنامہ ’’وطن‘‘ لاہور ۔ ماہنامہ ’’دکن ریویو‘‘۔ عطر فتنہ عطر، گورکھ پور۔ ماہنامہ ’’فرنگ نظر‘‘ لکھنؤ۔ ماہنامہ ’’زمانہ‘‘ کانپور۔ رسالہ ’’صوفی‘‘ منڈی بہاوالدین ۔ ماہنامہ ’’اتحاد‘‘ لاہور ۔ ماہنامہ ’’دلگداز‘‘ لکھنؤ۔ ماہنامہ ’’روئیداد‘‘ انجمن حمایتِ اسلام لاہور۔ ’’پیشہ‘‘ لاہور۔ ’’ادبی دنیا‘‘ لاہور۔ ’’کشمیری میگزین‘‘ لاہور ۔

ہمارا موضوع اقبال کی پہلی نظم ’’فلاحِ قوم‘‘ ہے جسے اقبال نے ترک کر دیا تھا۔ اس کے برعکس ’’ہمالہ‘‘ کو اوّلیت کا درجہ دیا ۔ اقبال نے ایسا کیوں کیا ؟ اس کا اندازہ اقبال کی پہلی تین متروک نظموں کے موضوعاتی مطالعہ سے معلوم ہو گا ۔ ان نظموں کو زمانی ترتیب میں ’’ہمالہ‘‘ سے اوّلیت حاصل تھی ۔

فلاحِ قوم

یہ نظم فروری ۱۸۹۶ء کو لکھی گئی اور ’’انجمن کشمیری مسلمانانِ ہند‘‘ لاہور کے اجلاس میں پڑھی گئی۔ یہ نظم پچیس اشعار پر مشتمل تھی ،مگر بوقتِ اشاعت مارچ ۱۹۰۹ء میں دو اشعار کا اضافہ کر دیا گیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ ’’کشمیری میگزین‘‘ میں اس کا عنوان بھی ’’ترقی و تعلیم‘‘ کر دیا گیا ۔ یہ نظم باقاعدہ چھپوا کر لائی گئی تھی اور اس کی کاپی چار(۴) ور پے تک فروخت ہوئی ۔ یہ نظم اپنے عنوان کے اعتبار سے سیاسی و سماجی بصیرت اور بے قراری و اضطراری کا مرقع تھی ۔ اقبال نے یہ نظم انجمن کے قیام پر پڑھی تھی ۔ چناں چہ اس کا اظہار یوں ہوتا ہے ۔

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقیں ہے راہ پہ آئے گا طالع واژوں
ملے گا منزلِ مقصود کا پتا ہم کو
خدا کا شکر ہے جس نے دیے یہ راہ نموں

اقبال نے اس نظم میں قوم کے درد کو یوں بیا کیا ہے :

جو سامنے تھی مرے قوم کی بری حالت

اُمڈ گیا میری آنکھ سے خون کا سیحوں

نظم کے آخر میں اقبال قوم کے لیے دعا گو ہیں! یہی وجہ ہے کہ اس کے عنوان میں ''ترقی وتعلیم'' کی تبدیلی کی گئی۔

دعا یہ تجھ سے ہے یا رب کہ تا قیا مت ہو
ہماری قوم کا ہر فرد قوم پر مفتوں
جو دوڑ کے لیے میدانِ علم میں جائیں
سبھوں سے بڑھ کے رہے ان کے فہم کا گلگوں
کچھ ان میں شوق تر قی کا حد سے بڑھ جائے
ہما ری قوم پہ یا رب وہ پھو نک دے افسوں

یہ نظم ملی اور سما جی حیثیت کی حا مل ہے اور ایک خاص خطہ اور قوم سے تعلق رکھتی ہے۔اقبال کا تعلق بھی اسی قوم اور خطہ سے تھا۔ چناں چہ اقبال نے اپنے پیغا م کو جغرا فیا ئی حدوں کا پا بند نہیں کیا۔ ان کی دور رس نگا ہوں نے محسوس کرلیا وہ اس نظم کو اپنا مطمعِ نظر نہیں بنا سکتے جس سے علا قیت کی بوآئے۔ چناں چہ یہ نظم محدود جغرا فیہ اور خاص قوم کی نما ئندگی کی وجہ سے متروک ہوئی۔

نالۂ یتیم

اقبال کی اُنیسویں صدی کی دوسری دستیاب نظم ''نالۂ یتیم'' ہے۔ یہ نظم انجمن کے پندرھویں سا لا نہ جلسے ۲۴؍فروری ۱۹۰۰ء کو ایک عوا می جلسے میں پڑھی گئی۔ یہ نظم با قا عدہ چھپوا کر لا ئی گئی تھی اور اس کی کا پی چا ر(۴)ور پے تک فروخت ہو ئی۔ یہ ایک طویل نظم ہے جو ایک سو پا نچ (۱۰۵)اشعار پر مشتمل ہے۔اس نظم کا عنوان مرثیہ کی علا مت ہے اور نظم کا آغا ز کلمہ تا سف ''آہ'' سے ہوتا ہے۔

آہ! کیا کہیے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں
بجھ گئی جب شمع روشن در خورِ محفل نہیں

اس کے موضوع سے ایک یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حضورﷺ خود بھی یتیم تھے جس میں آپؐ نے اپنی یتیمی کا وا سطہ دیا ہے۔ جس کا اظہا ر نظم کے آخری بند میں کیا گیا ہے۔

تھی یتیمی کچھ ازل سے آشنا اسلام کی
پہلے رکھی ہے یتیموں نے بنا اسلام کی
کہ رہی ہے اہلِ دل سے ابتدا اسلام کی

ہے یتیموں پر عنایت انتہا اسلام کی
تم اگر سمجھو تو یہ سو بات کی اک بات ہے
آبرو میری یتیمی کی تمھارے ہات ہے

یہ نظم اپنے موضوع ،اُسلوب اورفن کے اعتبار سے کوئی سقم نہیں رکھتی۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولوی نذیر احمد جو جلسہ کی صدارت کر رہے تھے اس نظم کو سن کر کہتے ہیں کہ ''میں نے انیسؔ و دبیرؔ کی بہت سی نظمیں سنی ہیں مگر واقعی ایسی دل فگار نظم کبھی نہیں سنی ۔''[۱۳]

اس کے علاوہ اس نظم کی خوبی اور طلب یہ رہی کہ جلسے کے اگلے روز ۲۵ر فروری کو اسے دوبارہ پڑھوایا گیا ۔اس میں انجمن کے لیے تین سو (۳۰۰) روپے چندہ اکٹھا ہوا ۔یہ نظم سن کر لوگ آبدیدہ ہو گئے اور زاروقطار رونے لگے ۔

اس نظم کو ترک کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی مسکینی کا اظہار ہوتا ہے۔اس میں قوم وملت کے غم والم ،مصائب اور کمزوریوں کا اظہار پایا جاتا ہے ۔اس کے علاوہ اس نظم میں پیغمبر کی زبانی چندہ مانگنے کی ترغیب بھی دلائی گئی تھی ۔

بندش، غم سے یتیموں کو چھڑانا چاہیے
مل کے اک دریا سخاوت کا بہانا چاہیے
کام بے دولت نہ چرخِ کہن چلتا نہیں
نخلِ مقصد غیر آبِ زر کبھی پھلتا نہیں

انجمن حمایتِ اسلام کی ابتداء چوں کہ مدرسہ یتیم خانہ سے ہوئی تھی ۔نظم بھی اسی مطابقت سے لکھی گئی تھی ۔لہٰذا یتیم ،یتیم خانہ، چندہ کی درخواست ،قوم کی یتیمی اور نالۂ یتیم ،یہ مفاہیم وعناوین اقبال کے آغاز کے لیے موزوں نہ تھے ۔اس لیے انھوں نے اسے ترک کر دیا۔

اقبال نے اپنی سخنوری کا آغاز ''آہ'' کی بجائے ''اے'' سے کیا۔ملاحظہ ہو نظم ''ہمالہ'' کا پہلا شعر:

اے ہمالہ !اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

دردِ دل یا یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے

یہ اقبال کی طویل ترین نظم ہے جو ایک سو ستاون (۱۵۷) اشعار پر مشتمل ہے ۔یہ بیسویں صدی کی سب سے پہلی نظم ہے ۔یہ نظم ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے سولھویں جلسے میں پڑھی گئی ۔یہ نظم بہت مقبول ہوئی ۔اقبال

اس کی کاپیاں چھپوا کر لائے تھے جو بڑی تعداد میں فروخت ہوئیں اور ایک ایک کاپی کی قیمت چار (۴) روپے تک رہی ۔یہ نظم شاعرانہ اعتبار سے نالۂ یتیم سے کہیں بہتر ہے۔

جس طرح بیوہ کے موضوع پر مولانا الطاف حسین حالؔی کی نظم ''مناجاتِ بیوہ'' سرِ فہرست ہے اسی طرح یتیم کے موضوع پر اقبال کی یہ نظم بھی سرِ فہرست ہے ۔موضوع اور عنوان کے اعتبا سے یہ نظم پہلی نظم ''نالۂ یتیم'' کا لاحقہ ہے ۔اس نظم میں جس حسرت و ملال اور بدقسمتی کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا اظہار ملاحظہ ہو:

جھوٹ ہے عید کا ہلال ہے تو
ساغرِ بادۂ ملال ہے تو
کیا بتاوں تجھے کہ کیا ہوں میں
تجھ کوحسرت سے دیکھتا ہوں میں
ایسی قسمت کسی کی ہوتی ہے
آہ !میری، اثر کو روتی ہے
دردِ دل کا بھی کیا فسانہ ہے!
خون رونے کا اک بہانا ہے !
عرش ہلتا ہے جب یہ روتے ہیں
کیا یتیموں کے اشک ہوتے ہیں
عید کا چاند آشکا رہوا!
تیر غم کا جگر کے پار ہوا!

اس کے علاوہ اس نظم کی وجہ سے اقبال پر زبان ومحاورے کی غلطیوں کا ایک باب کھل گیا۔ اگست ۱۹۰۳ء کے شمارے ''اردوئے معلےٰ'' میں ایک مضمون بعنوان ''اردو زبان پنجاب میں'' شائع ہوا جو ایک نقاد حکیم عبدالکریم برہمؔ نے فرضی نام ''تنقیدِ ہمدرد'' کی طرف سے لکھا تھا۔۱۴

اس مضمون میں اس نظم پر یہ اعتراضات کیے گئے تھے۔ جو کچھ اس طرح کے تھے:

اعتراض نمبر۱ ؎ چشمِ طفل نے جب تمھیں دیکھا کہ دیا خواب کو کہ خواب ہے تو

تنقیدِ ہمدرد نے اس شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ ''کو'' پر اعتراض کیا تھا کہ یہاں کو کی بجائے ''سے'' ہونا چاہیے تھا۔

اعتراض نمبر۲ ؎ ہاتھ اے مفلسی صفا ہے تیرا ہائے کیا تیر بے خطا ہے ترا

تنقیدِ ہمدرد کا پہلے مصرعے میں ''صفا'' پر اعتراض تھا کہ یہ صفا کی بجائے ''صاف'' کا مقام تھا۔

اعتراض نمبر۳ ؎ شور آواز چاک پیراہن لب اظہار مدعا ہے ترا

تنقیدِ ہمدرد کا اعتراض تھا کہ ''شور'' کیوں کر ''لب'' بن سکتا ہے۔

اعتراض نمبر۴ ؎ حال اپنا اگر تجھے نہ کہیں اور رکھیں اسے کہاں کے لیے؟

تنقیدِ ہمدرد کا اعتراض تھا کہ ''تجھے'' کی جگہ ''تجھ سے'' ہونا چاہیے تھا۔

میر نیرنگ انبالوی نے اس مضمون کا جواب ستمبر۱۹۰۳ء میں کے ماہنامہ ''مخزن'' میں دیا اور ''تنقیدِ ہمدرد'' کی خبر لی۔اس کے اگلے شمارے اکتوبر۱۹۰۳ء کے شمارے میں علامہ اقبال نے ان اعتراضات کا جواب اسی عنوان کے تحت دیا۔۱۵ انھوں نے اپنے دلائل دیتے ہوے اساتذہ کی اسناد بھی پیش کیں۔اس سلسلے میں اکبر حیدری لکھتے ہیں کہ مولانا حالؔی اور علامہ شبلی نے بھی اقبال کی حمایت کی۔۱۶

اقبال نے اعتراض نمبر۳ کے جواب میں کہا تھا کہ یہ استعارہ ہے۔ پھر اسی قسم کے استعاروں کی مثالیں بھی لکھیں۔

اس کے بعد فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے ''اردوئے معلیٰ'' میں تنقیدِ ہمدرد کا ''اصلاحِ زبان پنجاب'' کے عنوان سے جواب الجواب شائع ہوا۔جس میں ''تنقیدِ ہمدرد'' نے دعویٰ کیا کہ ان کے جواب سے اعتراض رد نہیں ہوتا۔۱۷

اس کا اقبال کے دوست غلام بھیک نیرنگؔ نے ''تنقیدِ ہمدرد'' کا جواب دیا۔اس نے اعتراض نمبر ایک اور چار کے جواب کو درست قرار دیا۔ڈاکٹر عبدالغفار شکیل نے اپنے نثری افکار میں ان اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

تنقیدِ ہمدرد کون تھا؟اس سلسلے میں اکبر حیدری کشمیری نے اپنے ایک مضمون ''اقبال کا نظریۂ زبان'' میں لکھا کہ ''جب اقبال کی نظم ''یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے'' اخبار و رسائل میں شائع ہوئی اور حسرتؔ موہانی کی نظر سے گزری تو انھوں نے اقبال کی زبان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اور وہ بار بار کہتے رہے کہ ''اقبال اردو کو الٹی چھری سے ذبح کر رہے ہیں''۔۱۸

جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے کہ ''تنقیدِ ہمدرد'' کے نام سے اقبال کے اشعار پر اعتراضات حسرتؔ موہانی نے کیے تھے۔۱۹

ڈاکٹر گیان چند نے بھی اس بات کی تائید کی ہے،انھوں نے ایک رسالہ ''اقبال کا سفرِ لکھنؤ،حقیقت یا افسانہ ،مشمولہ، ہماری زبان ۱۵رمئی ۱۹۸۰ء،کا حوالہ دیا ہے۔۲۰

مگر اکبر حیدری کشمیری پورے وثوق سے اپنے ایک مضمون ''اقبال کی زبان پر ایک ادبی معرکہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہماری رائے میں ''تنقید ہمدرد'' گورکھ پور کے حکیم برہم ہی ہیں''۔۲۱پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوروی نے بھی اسی بات کی تصدیق کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''تنقیدِ ہمدرد'' حسرتؔ موہانی کا فرضی نام بہر حال نہیں ہے، مذکورہ مضمون کی اندرونی شہادت اس تائید نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں اس معرکے میں حسرتؔ موہانی نے اپنے اصلی نام سے حصہ لیا ہے۔۲۲

دلی اور لکھنؤ کے بعد اہلِ پنجاب پر اصلاحِ زبان کے پیچھے تنقید کا یہ سلسلہ ایک خاص پس منظر کا حامل ہے۔ دراصل یہ اردو کے ممتاز اہلِ زبان مولوی ممتاز علی اور حکیم برہمؔ کا آپسی مباحث کا شاخسانہ تھا کیوں کہ مولوی ممتاز علی (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۵ء) اور اقبال میں گہرے مراسم تھے۔ جب کہ مولوی ممتاز علی اور حکیم برہمؔ میں خدا واسطے کا بیر تھا۔ اس بات کا اظہار برہمؔ نے ایک مضمون ''اردو زبان پنجاب میں'' یوں کیا کہ ''مولوی ممتاز علی ہمارے نادان دوست ہیں، ان کی باتوں پر نہ جاؤ۔۔۔ اگر پنجاب کے اخباروں کے ذریعے ہندوستان میں غلط اردو مروج ہو جائے تو میرے نزدیک ایسی اردو کے رائج ہونے سے اس کا رائج نہ ہونا کچھ زیادہ برا نہیں''۔ ۲۳

مذکورہ بالا بحث سے ظاہر ہے کہ اقبال ایسی نظم جو جائز و ناجائز اعتراضات کی زد میں رہی ہو، کس طرح اپنے مجموعے میں شامل کر سکتے تھے اور اپنی شاعری کا آغاز ہی شک و شبہ اور بحث و تکرار سے کرتے۔ اس لیے اقبال نے اس نظم کو بھی ترک کر دیا لیکن اس بات میں بھی زیادہ وزن نہیں ہے کیوں اگر ایسا ہوتا تو اقبال اپنی ان نظموں کو بھی ترک کرتے جن پر اعتراضات تھے مگر اقبال نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان میں ترامیم کیں۔ مثلاً۔

اقبال کی نظم ''ترانۂ ہندی'' ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ محمد عمر لکھتے ہیں کہ ''اس ترانے کو نقل کرتے وقت ان سے جو غلطیاں ہوئیں وہ اعتراضات کا باعث بن گئیں، جس کے ذمہ دار اقبال نہیں بلکہ وہ خود تھے، چناں چہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب یہ نظم جلسہ میں پڑھی گئی۔ اقبال کے ایک عقیدت مند محمد عمر نے یہ نظم جلسہ کے دوران میں نوٹ کی اور ہاسٹل جا کر عبدالحلیم شرر کو شائع کرنے کے لیے لکھنو بھیج دی۔ اُمنگ یہ تھی کہ ان کا نام بھی ساتھ چھپ جائے گا۔ محمد عمر کہتے ہیں کہ میری خوش قسمتی دیکھیے کہ عبدالحلیم شرر نے میرا نام نہ چھاپا اور نظم چھاپ دی۔ حالاں کہ میں نے اپنا نام شائع کرنے کی بڑی تاکید کی تھی۔ جب یہ نظم چھپ نکلی اور علامہ کو اس کا علم ہوا تو وہ بڑے سیخ پا ہوئے کیوں کہ اس میں بہت سی غلطیاں بھیجنے والے کی بدولت وارد ہوئیں تھیں۔ اس پر حسرت موہانی کے رسالے ''اردوئے معلےٰ'' نے اہلِ پنجاب کو جی بھر کر جلی کٹی سنائیں۔ اس طرح 'مخزن' اور 'اردوئے معلےٰ' میں محاذ کھل گیا جو چھ سات ماہ تک جاری رہا۔

علامہ بہ ضد ہوئے کہ اس شخص کا کھوج لگایا جائے جس نے یہ نظم بھیجی ہے۔ جب کافی کوشش کے باوجود اس شخص کا سراغ نہ ملا تو تجویز یہ ہوئی کہ شررؔ کو ایک خط لکھ کر معلوم کیا جائے کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ چناں چہ اس تجویز پر اتفاق ہوا۔ علامہ نے ایک خط لکھ کر ارسال کرنے کے لیے مجھے (محمد عمر) دے دیا۔ چوں کہ مذکورہ نظم میں نے ہی بھیجی تھی، بڑا پریشان ہوا، کبھی سوچا کہ خط کو پوسٹ ہی نہ کروں، کبھی سوچا کہ اس پر لکھ دوں کہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ پھر ایک تجویز کارگر ثابت ہوئی کہ ایک اور خط اس خط کے ساتھ لکھ دیا جائے اور درخواست کی جائے کہ وہ میرا نام نہ بتائیں۔ چناں چہ دونوں خط ایک ساتھ ارسال کر دیے گئے۔ عبدالحلیم شرر واقعی دور اندیش اور فہم و

فراست کے مالک تھے۔اللہ ان کو جنت نصیب کرے۔اُنھوں نے اقبال کو جواب ارسال فرمایا کہ کسی نے لاہور سے یہ نظم بھیجی تھی،مسودہ بہت تلاش کیا نہیں ملا،نام یاد نہیں۔

محمد عمر لکھتے ہیں کہ میں تو اس عذر سے چھوٹا مگر اور لوگ پھنس گئے۔یہ راز مدتوں تک سر بستہ رہا اور میں اپنے تئیں شرمندہ رہا اور اقبال یورپ چلے گئے۔میرا خیال تھا کہ اقبال اس معاملہ کو بھول گئے ہوں گے،مگر جب۱۹۱۳ء میں اقبال سری نگر تشریف لائے۔اس وقت مولوی احمد دین،منشی نورالٰہی اور ان کے دو ایک موکل اور میں ان کے پاس ریسٹ ہاوس میں بیٹھے تھے کہ ایک 'شکارا' ہمارے پاس سے گزرا۔اس میں دو تین بچے یہی نظم گا رہے تھے۔اس پر اقبال نے حصہ لیا اور پھر کہا کہ یہ نظم کس طرح شائع ہوئی اور کس طرح ایک ادبی طوفان بپا ہوا؟مگر یہ پتہ نہ چلا کہ یہ نظم کس نے شائع کرائی۔منشی نورالٰہی نے میری طرف دیکھا اور میں کچھ کھو سا گیا،مگر ظالم نے بتا ہی دیا کہ یہ کارستانی میری تھی سب ہنس پڑے اور علامہ بھی اس میں شریکِ غالب تھے۔یوں یہ قصہ۱۹۰۴ء سے۱۹۱۳ء میں آشکار ہوا۔یہ تمام کارروائی یہ تفصیل صاحب زادہ ظفر ہاشمی ساہیوال نے ہفت روزہ''چٹان''میں یکم مئی۱۹۶۷ء کو شائع کی۔۲۴

یہ نظم''زمانہ''،''اتحاد''،''دلگداز''اور ماہنامہ''مخزن''میں شائع ہوئی۔اقبال نے اس نظم میں ایک تبدیلی یہ کی تھی:

ابتدائی شعر ؎ معلوم ہے ہمیں کو دردِ نہاں ہمارا

تبدیل شدہ شعر ؎ معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اس کے علاوہ۱۹۲۴ء میں بانگِ درا اور۱۹۳۵ء میں بالِ جبریل شائع ہوئی تو اعتراضات کی بوچھاڑ ہوگئی۔جوش ملسیانی نے حضرتِ''جرّاح''کے قلمی نام سے ایک طویل مضمون لاہور کے اخبار''پارس''میں اقبال کی خامیوں کے عنوان سے قسط وار شائع کیا۔انھوں نے اسے پہلی با۱۹۲۸ء میں اور دوسری بار۱۹۷۷ء میں ایک کتابی شکل میں شائع کیا۔اس کے بعد کالی داس گپتا رضا نے بھی بمبئی سے۱۹۹۴ء میں اسے شائع کیا۔۲۵

ان خامیوں کا جواب خادم ہوشیارپوری اور دل محمد فضا جالندھری نے بھی دیا۔اس کے علاوہ''زمانہ''کانپور میں دیا نرائن نگم نے بھی اقبال کا دفاع کیا۔جب کہ سراج لکھنوی اپنے تنقیدی مزاج کا سہارا لیتے ہوئے اس پر بے لاگ تبصرہ کیا۔ان کا یہ جواب بعنوان''اقبال کی شاعری پر حق و ناحق نکتہ چینی''یعنی کلامِ اقبال پر حضرتِ جرّاح کا عملِ جرّاحی،سالنامہ''سروش''لاہور جنوری۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔۲۶

اقبال کے ایک اور غالی مخالف برکت علی گوشہ نشیں تھے۔انھوں نے۱۹۳۱ء میں ایک کتاب''اقبال کا شاعرانہ زوال''شائع کی۔اس کے حصہ اوّل میں بانگِ درا کی اور حصہ دوم میں اسرار و رموز،پیامِ مشرق اور زبورِ عجم کی خامیوں پر خوب دل کی بھڑاس نکالی۔اس کے علاوہ دو کتابچے''خادمانہ تبدیلیاں،۱۹۵۵ء''اور''مودبانہ تبدیلیاں،۱۹۵۶ء''میں شائع کیے۔کتابچے''خادمانہ تبدیلیاں''میں بانگِ درا کے۳۵۵ اشعار میں جب کہ کتابچے''مؤدبانہ تبدیلیاں''میں

بالِ جبریل کے ۸۴ اشعار می تبدیلیاں تجویز کی گئیں ۔

ان کے جواب میں اقبال کی طرف سے بشیر نکودری نے ''نا قدانِ اقبال'' کے عنوان سے ۱۹۵۷ء میں ایک کتاب شائع کی اوران اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ۔اس کے علاوہ صائم گنجوی نے موٴدبانہ تبدیلیاں'' کے جواب میں ''تعصّبانہ تبدیلیاں''، برکت علی گوشہ نشین کی وفات (۱۹۵۷ء) سے کچھ پہلے شائع کیا ۔ پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنی کتاب ''اقبال دشمنی ۔۔ایک مطالعہ''میں ان موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے ۔

یاد رہے کہ بانگِ درا پر حضرت جرّاح (جوش ملسیانی) کے اعتراضات کا جواب سراج لکھنوی نے دیا تھا اور بالِ جبریل پر سیماب اکبرآبادی کے اعتراضات کا جواب اثر لکھنوی نے دیا ۔اس دور میں یاس یگانہ چنگیزی اور جوش ملیح آبادی اقبال کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔اس سلسلے میں آل احمد سرورؔ اور شمس الرحمٰن فاروقی تو اقبال کا دفاع کرتے ہیں مگر مشہو اقبالی نقاد عبد السلام ندوی (اقبال کامل ،۱۹۴۸ء)اور مولانا رشید احمد صدیقی (گنج ہائے گرانمایہ ،ص۱۷۶) نے اپنی تصانیف میں شک وشبہات کا اظہار کیا ہے ۔مولوی عبد الحق نے رسالہ ''اردو'' میں زہری کا ایک مضمون بعنوان ''کلامِ اقبال کی زبان'' شائع کیا تھا ۔اس میں اقبال کی زبان پر معذوری کا اظہار کیا کہ اردو اقبال کی مادری زبان نہیں،اس لیے کوئی انھیں اہلِ زبان کا درجہ نہیں دے سکتا ۔۲۷

اس کے برعکس حفیظ جالندھری اورمولانا ظفر علی خاں کی شاعری پر کوئی اعتراضات نہیں ہوئے ۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اقبال کی زیر بحث نظموں کی اشعار پر اعتراضات کی وجہ سے یہ نظمیں متروک ہوئیں کسی طور درست نہیں ،اگر ایسا ہوتا تو اقبال کا بیشتر کلام متروک ہو جاتا۔حال آں کہ زیرِ بحث ان نظموں کی بابت مولوی احمد دین رقم طراز ہیں ۔

> یہ تینوں نظمیں بانگِ درا میں اقبال نے شامل کیں ہیں موجود نہیں ہیں ۔اس میں کلام نہیں کہ تاریخی اعتبا سے یہ مجموعہ کلام میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں جونظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔۲۸

بانگِ درا کی اشاعت سے قبل حیدرآباد سے غیر مصدقہ کلام پر مشتمل دو مجموعے شائع ہوئے۔ایک مجموعہ مولوی احمد دین نے بعنوان ''اقبال'' شائع کیا تھا۔انھوں نے اس کا آغاز ''نالۂ یتیم سے کیا تھا ۔دوسرا مجموعہ مولوی عبدالرزاق نے ''کلیاتِ اقبال'' کے عنوان سے شائع کیا تھا تو اس کا آغاز ''نالۂ فراق'' سے کیا ۔جب کہ اقبال نے اپنے مجموعے کا آغاز نظم ''ہمالہ'' سے کیا۔

علامہ اقبال نے ان نظموں کو اوّلاً اس وجہ سے اپنے مستند مجموعہ کلام میں شامل کرنا پسند نہیں کیا کہ جس زمانہ میں بانگِ درا مرتب ہوئی تھی اس زمانہ میں اقبال کا شعروسخن میں معیار بہت بلند ہو چکا تھا اور علامہ اقبال بندشِ اُسلوب اور بیان کے معاملے میں بہت سخت تھے ۔یہ نظمیں اپنے موضوعات کے اعتبار سے محدود تھیں ۔کوئی ذی شعور شاعر اپنے تخیل اور تجربے کو جغرافیائی سرحدوں میں محدود نہیں رکھتا چہ جائے کہ اقبال جیسا بڑا اور آفاقی شاعر.....

چناں چہ ہم کہ سکتے ہیں کہ نظم ''فلاحِ عوام'' اقبال کی پہلی نظم تو ہے مگر بانگِ درا کی پہلی نظم ''ہمالہ'' ہی ہے۔ جسے اقبال کی تائید حاصل ہے۔آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ ''ہمالہ'' کیسی نظم ہے؟

ہمالہ

ہمالہ بانگِ درا کی پہلی نظم ہے اور اردو مجموعہ کلام کا مطلعِ اول ہے۔ یہ نظم سرعبدالقادر کے ادبی رسالہ ماہنامہ ''مخزن'' کی اولین اشاعت اپریل ۱۹۰۱ء کی زینت بنی۔ یہ نظم جب ''مخزن'' میں شائع ہوئی تو بارہ بندوں پر مشتمل تھی۔ اقبال نے نظرثانی میں چار بند قلم زد کر دیے، جو باقیاتِ اقبال میں درج ہیں۔

پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں کہ ماہنامہ ''مخزن'' میں اس نظم کا عنوان ''کوہستانِ ہمالہ'' تھا۔۲۹ کلیاتِ اقبال مرتبہ رزاق میں بھی اس نظم کا عنوان ''کوہستانِ ہمالہ'' ہی درج ہے، جب کہ سرعبدالقادر نے دیباچہ بانگِ درا میں اس نظم کا عنوان ''کوہ ہمالہ'' لکھا ہے۔ جب ہم تاریخی اعتبار سے ''ہمالہ'' کے سنِ اشاعت پر غور کرتے ہیں،تو پتہ چلتا ہے کہ ''ہمالہ'' اقبال کی پہلی نظم نہیں ہے، بلکہ اس سے قبل تین نظمیں شائع ہو چکیں تھیں۔

مولوی احمد دین کی کتاب ''اقبال'' جو اقبال کے اردو کلام پر مبنی تھی۔ اس مجموعہ کا آغاز ہمالہ کی بجائے ''نالۂ یتیم سے کیا گیا تھا۔توجہ طلب بات یہ ہے کہ اقبال نے بانگ درا کا آغاز ''ہمالہ'' سے کیوں کیا؟اِس بارے میں دو باتیں خاص معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں جس کا ذکر مولوی احمد دین نے اپنی کتاب ''اقبال'' میں کیا ہے کہ:

> غالباً بعض اصلاحی وجوہاتِ شاعری اور نظرثانی کے لیے عدیم الفرصتی کی بنا پر مجموعے میں اِنھیں درج نہیں کیا گیا۔ اِن میں خیال کی وہ بلندی اور بندشوں کی وہ مسلسل لطافت اور چستی بھی نہیں جو بعد کی نظموں میں پائی جاتی ہے۔۳۰

محققین کی یہ بات تو درست ہے کہ محذوف شدہ نظموں میں فنی جھول پایا جاتا ہے،مگر یہ بات کہ اُنھیں عدیم الفرصتی کی بنا پر مجموعے میں درج نہیں کیا گیا غور طلب ہے کیوں کہ اقبال نے اکثر نظموں میں ترمیم و اِضافے کیے ہیں جو باقیاتِ اقبال، روزگارِ فقیر، سرودِ رفتہ، اور مطالبِ بانگِ درا میں درج ہیں اگر اقبال چاہتے تو ان نظموں میں کانٹ چھانٹ اور حذف و ترمیم کر کے اُنھیں معیار کے مطابق کر سکتے تھے کیوں کہ اقبال کی قادرالکلامی میں کوئی کلام نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقبال نے بانگِ درا کی اشاعت میں ترتیب اور سنین کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔سرعبدالقادر نے دیباچہ لکھتے ہوئے اُنھیں تین ادوار(۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء۔۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء۔۱۹۰۸ء تا ۱۹۲۸ء) میں تقسیم کیا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقبال نے اپنے مجموعے کا آغاز بیسویں صدی سے کیا ہے؟ کیوں کہ ''ہمالہ''بیسویں صدی کی نظم ہے،مگر ''ایک یتیم کا خطاب ہلال عید سے'' ۱۹۰۱ء، بھی تو بیسویں صدی کی نظم ہے۔یہ نظم ''ہمالہ

'' سے پہلے کی ہے اور ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء کے ایک عوامی جلسے میں پڑھی گئی مگر اُسے مجموعے میں شامل کیوں نہیں کیا گیا ؟ یہاں ہم محققین کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ اِن نظموں میں خیال کی وہ بلندی اور بندشوں کی وہ مسلسل لطافت اور چستی نہیں پائی جاتی جو بعد کی نظموں میں دکھائی دیتی ہے کیوں کہ ان نظموں میں حسرت و یاس کی جھلک پائی جاتی ہے اور اِن کا انداز دھیما ہے ۔اس لیے اقبال نے اپنے مجموعے کا آغاز ان نظموں کی بجائے'' ہمالہ'' سے کیا ۔'' ہمالہ'' ایک زوردار اور بلند آہنگ نظم ہے ۔

اس نظم کا تخلیقی محرک ایک ادبی معرکہ تھا،جس کی خاص بات متعیّن کردہ موضوعات کے تحت لکھی جانے والی نظمیں تھیں ۔ یہ ادبی مشاعرہ میاں شاہ دین کے مکان پر منعقد ہوتا تھا ۔عبدالمجید سالکؔ کے مطابق اس مقابلے میں پہلا عنوان ''ہمالہ'' تجویز ہوا تھا ۔۳۱

اِس کے باوجود بیسویں صدی کے آغاز پر'' ہمالہ'' کی تخلیق محض ایک اتفاق ہی نہیں تھا بلکہ ایک مناسب وقت تھا کیوں کہ'' ہمالہ'' کی تخلیق میں نئے زمانے کے عمرانی شعور، انگریزی ادب وفلسفہ اور نئے علوم کے گہرے مطالعہ کی کارفرمائی جھلکتی ہے ۔ ہمالہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی یہ اپنی ادبی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہے ۔سید نذیر نیازی ایک جرمن مصنف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ایک جرمن مصنف نے گذشتہ صدی میں'' ہندوستان'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تو اس کتاب کی ابتدا اقبال کی نظم'' ہمالہ'' سے کی ۔۳۲

پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں کہ یہ ہندوستانی پس منظر میں لکھی جانے والی نظم پہلی ہے :

> کلامِ اقبال میں ہندوستانی پس منظر کو تلاش کرنے کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں ۔ بانگِ درا کے دیباچے وغیرہ کے صفحات کے بعد جب پہلے ہی صفحے پر ہماری نگاہ جاتی ہے ،تو'' ہمالہ'' کے عنوان سے نظم اس امر کی غمازی کر رہی ہے ۔۳۳

ہمالہ کی ادبی اہمیت بیان کرتے ہوئے سر عبدالقادر لکھتے ہیں کہ :

> اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں ۔اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی ۔۳۴

اِس کے علاوہ'' نالۂ یتیم اور فریادِ اُمت'' کے سامعین ایک انجمن کے لوگ تھے ۔جب کہ'' ہمالہ'' کے سامعین ایک ادبی مجلس کے شرکاء تھے اور یہ نظم باقاعدہ مقابلے کا نتیجہ تھی ۔جب ہم اس نظم کے جغرافیائی پس منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ہمالہ پاکستان کے شمال میں پھیلا ایک پہاڑی سلسلہ ہے ۔دنیا کی بلند ترین چوٹی'' ماونٹ ایورسٹ '' اسی سلسلۂ کوہ میں ہے ۔ ہمالہ سنسکرت کا لفظ ہے ۔سنسکرت میں 'ہم' برف اور 'آلہ' گھر کو کہتے ہیں۔ہمالہ سے مراد

برف کا گھر ہے ۔ برِ صغیر کی معیشت کا بڑا انحصار ہمالہ سے نکلنے والے دریاوں پر ہے ۔ اس کے علاوہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برِ صغیر جو ہمیشہ حملوں کی زد میں رہا ہے ۔ ہمالہ کی جانب سے کبھی کوئی حملہ نہیں ہوا ۔ اقبال نے اس امر کا اظہار یوں کیا ہے:

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو دیوارِ ہندوستاں ہے تو (ہمالہ)

بانگ درا حصہ اوّل کی ایک اور نظم ''ترانۂ ہندی'' میں بھی اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے ۔

پربت وہ سب سے اُونچا ، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا (ترانۂ ہندی)

ہمالہ بلندی اور جاہ وحشمت کا استعارہ ہے ۔ جو جذبے کی استقامت اور فکر کی حشمت کو ظاہر کرتا ہے ۔ اِس کے ساتھ ساتھ اقبال کی شاعرانہ عظمت کا اشاریہ بھی بن جاتا ہے کہ جس کے تخلیقی سفر کا آغاز ہی اتنا بلند ہو اس کے باقی ماندہ سفر کی کیفیت کیا ہوگی ؟

اس نظم سے اقبال کی فطرت پسندی کا اظہار ہوتا ہے ۔ عالم فطرت کی منظر کشی یا قدرتی شاعری میں ''ہمالہ'' اقبال کی پہلی نظم ہے ۔ یہ اقبال کے تخیل کی بلند پروازی کا شاہکار ہے ۔ اُن کی قوتِ متخیلہ کا یہ عالم ہے کہ شمال کی جانب پھیلے دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلے کا نظارہ کیا ۔ محاکات کی یہ خوبی جیسے ''ہمالہ'' اپنی ساری دل کشی اور گوناں گوں مناظر کو لیے سامنے کھڑا ہے ۔ یہ نظم اقبال کے آئندہ ادوار کی شاعری میں پائے جانے والے رومانوی عناصر ، فطرت پسندی ، جذبۂ حب الوطنی اور احساسِ جمال کی معنوی اور فکری خصوصیات کا اشاریہ بھی ہے ۔

''ہمالہ'' (پہاڑ) طاقت، قوت اور صبر و ہمت کا استعارہ ہے ۔ یہ تہذیبی قدامت وعظمت کی مقدس علامت ہے ۔ یہ فطرت پسندی اور رومانویت کا مظہر ہے ۔ ہمالہ کے لیے طورِ سینا سے تشبیہ دینا شاعر کی فنکارانہ اُپج ہے ۔

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

مذکورہ بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''ہمالہ'' تمام تر جدت و ندرت کی حامل نظم ہے ۔ ہمالہ اس دور کا دیباچہ ہے ۔ ہمالہ کے ساتھ اقبال میں ایک ذہنی و جذباتی تبدیلی آئی اور وہ تبدیلی جذبۂ حب الوطنی کی تھی ۔ اس نظم میں رومانویت کا ایک خاص منظر پایا جاتا ہے ، جس میں آسمان ''ہمالہ'' کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے نظر آتا ہے اور ایک قدرتی منظر پیش کرتا ہے ۔

اے ہمالہ !اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں

چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

''ہمالہ'' کو فطرت اور شاعری کا دیوان قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح دیوان کے اشعار گوناں گوں کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ صحیفۂ فطرت بھی رنگا رنگ مناظر کا مرقع ہے۔ ہمالہ کی چوٹی آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

اس وجہ سے ''آسمان'' کو کلامِ اقبال کا مطلع قرار دیا جا سکتا ہے۔ کائنات پر پھیلا آسمان اقبال کے دیوان کی جو لانگاہ ہے۔ ''ہمالہ'' ایک بازی گاہِ فطرت ہے جس میں عناصر اربعہ، ابر و باد، برق و باراں کی صورت میں سرگرم عمل ہیں۔ اقبال کا تعلق ''ہمالہ'' سے روحانیت اور معرفت کا ہے کیوں کہ ''ہمالہ'' بزرگانِ دین کا مسکن رہا ہے۔

اے ہمالہ! داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن تیرا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پہ غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

ہمالہ کا قلمی اور صوتی نظام بلندی سے نیچے کی طرف آتا ہے۔ جو کلامِ اقبال کے 'آمد' کی دلیل ہے۔ جب ہم ''ہمالہ'' کے لفظوں پر غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دو با مقصد اور با معنی الفاظ کا مرکب ہے (ہم اور آلہ)۔ اردو میں ''ہم'' اتحاد اور ''آلہ'' غلبے اور طاقت کا استعارہ ہے۔ یہی اقبال کے پیغام کی اساس ہے۔ یہ نظم اقبال کے احساسات، خیالات، اور جذبات کی مظہر بھی ہے۔

علامہ اقبال کا یہ فیصلہ درست تھا کہ انھوں نے اپنے پیغام کا آغاز ''ہمالہ'' سے کیا اور دیگر نظموں کو محذوف و متروک قرار دے دیا۔ البتہ اقبال کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے محذوف کلام سے صرفِ نظر نہیں کیا سکتا۔ اس متروک کلام سے بھی گہر اور صدف ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا بھلا ہو ان راہروانِ تحقیق و جستجو کرنے والوں کا جنھوں نے نہ صرف اسے محفوظ کیا بلکہ ہم تک اس کلام کو پہچانے کا ذریعہ بھی بنے۔ مگر مولانا غلام رسول مہر اس کے قائل نہیں تھے۔ ان کا موقف ہے کہ ''جس کلام کو شاعر نے قلم زد کر دیا ہے اس کو منظرِ عام پر کیوں لایا جائے۔''[۳۵]

جب کہ خود اس کلام کو مرتب کر ڈالا۔ یہی اس کلام کی افادیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر صدیق جاوید، اقبال نئی تفہیم (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۵۹۹۔

۲۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، عروجِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۷ء)، ۲۲۳۔

۳۔ ڈاکٹر گیان چند، ابتدائی کلامِ اقبال (حیدرآباد: اردو ریسرچ سنٹر، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۲۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۶، ۷۔

۵۔ ڈاکٹر شفیق احمد، شرح بانگِ درا (لاہور: معراج پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۱۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

۷۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل (اعظم گڑھ، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۰۲۔

۸۔ ایس، ایم ناز، حیاتِ اقبال (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۷ء) ص ۳۰۔

۹۔ ایضاً، ص ۳۰۔

۱۰۔ مولوی احمد دین، اقبال، مرتبہ مشفق خواجہ (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۷ء) ص ۴۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۸۔

۱۲۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، عروجِ اقبال۔ ص ۱۲۔

۱۳۔ روئیداد انجمن حمایتِ اسلام (لاہور: ۱۹۰۰ء)، ص ۳۶۔

۱۴۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر، اقبال کا اردو کلام (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ ڈاکٹر گیان چند، ابتدائی کلامِ اقبال، ص ۱۰۴۔

۱۸۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر، اقبال کا اردو کلام، ص ۲۱۔

۱۹۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد، اقبالیات، (سری نگر، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۳۰۔

۲۰۔ ڈاکٹر گیان چند، ابتدائی کلامِ اقبال، ص ۱۰۳۔

۲۱۔ اکبر حیدری، اقبال کی زبان پر ایک ادبی معرکہ'' مشمولہ، ہماری زبان، (نئی دہلی، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۶۔

۲۲۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر، اقبال کا اردو کلام، ص ۲۲۔

۲۳۔ ایضاً،ص۴۔

۲۴۔ رحیم بخش شاہین،اوراقِ گم گشتہ (لاہور :اسلامک پبلی کیشنز لیمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ،۱۹۷۵ء)،ص۳۲۰۔

۲۵۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر، اقبال کا اردو کلام ،ص۹۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً،ص۱۴۔

۲۸۔ مولوی احمد دین ،اقبال ،مرتبہ مشفق خواجہ،ص۴۸۔

۲۹۔ ڈاکٹر گیان چند ،ابتدائی کلامِ اقبال،ص۱۰۹۔

۳۰۔ مولوی احمد دین ،اقبال ،مرتبہ مشفق خواجہ،ص۱۱۶۔

۳۱۔ ڈاکٹر گیان چند ،ابتدائی کلامِ اقبال،ص۱۰۹۔

۳۲۔ سید نذیر نیازی ،دانائے راز(لاہور : اقبال اکادمی ،۱۹۷۹ء)،ص۲۳۰۔

۳۳۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد ،اقبال اور اس کا عہد (لاہور : ندرت پرنٹرز،۱۹۷۷ء)،ص۱۲۔

۳۴۔ سر عبدالقادر، بانگِ درا ،دیباچہ(لاہور:غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۰ء)،ص۱۳۔

۳۵۔ ڈاکٹر گیان چند ،ابتدائی کلامِ اقبال،ص۲۰۔